آغا حشر کی غزلیں

از ڈاکٹر انجمن آرا انجم، علی گڑھ

آغا حشر فطری شاعر تھے۔ ان کی شعری صلاحیت کا اندازہ ان کے ڈراموں اور کلام سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ انھوں نے شاعر کی حیثیت سے کوئی بڑا مقام تو حاصل نہیں کیا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ اپنی صلاحیت اور تخلیقی قوت شاعری کے لئے اسی طرح صرف کرتے جس طرح اردو ڈرامے کی ترقی کے لئے کی تو یقیناً وہ بہت اچھے شاعر ہوتے۔ ان کی غزلوں کو پڑھکر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ شاعری کے اصولوں کو بڑی چابکدستی سے نبھاتے ہیں اور ان کو برتنے میں بہت محتاط ہیں اس لئے انھوں نے بہت کم جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔ ان کا اندازِ بیان سادہ، رواں مگر شگفتہ اور دلنشیں ہے۔ ان کے یہاں آورد نہیں آمد ہے جو ان کی طباعی اور ذہانت کی دلیل ہے۔ ان کے کلام میں فلسفیانہ گہرائی رمزیت، زندگی کے عمیق مشاہدات و تجربات اور علو تخیل کی تلاش عبث ہے کیونکہ اپنی شاعری کے متعلق خود حشر نے کہا ہے:

حشر میری شعر گوئی ہے فقط فریادِ شوق — اپنا غم دل کی زباں میں دل کو سمجھاتا ہوں

یا

یہ میری شاعری اے حشر شرح دردِ الفت ہے — وہی سمجھیں گے اس کو جو زبان دل سمجھتے ہیں

یا جگہ فرماتے ہیں

مرے ہر شعر میں اے حشر ہے مستی و رنگینی — غزل میری شباب یار کی تصویر ہوتی ہے

اس کے علاوہ حشر نے شعر کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:

حقیقت شعر کی اے حشر بس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بجلی ہو اثر میں اور پانی ہو روانی میں

ان کے کلام میں اثر آفرینی ہو یا نہ ہو مگر سلاست و روانی اور فصاحت اور سادگی ان کی شاعری کی وہ خصوصیات ہیں جو نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ سلیس و فصیح طرزِ بیان کے باوجود ان کے یہاں شعریت اور تاثیر پالینا مشکل نہیں۔ محبت کی اہمیت، ہمہ گیری اور اس کو زندگی کا بنیادی عنصر سمجھتے ہوئے کس دلنشیں اور خوبصورت پیرایۂ بیان میں کہتے ہیں:

زندہ ہے تجھ سے روحِ طرب کائنات میں تو نغمۂ ازل ہے ربابِ حیات میں

آسودگیٔ روح، نشاطِ نظر نہیں دنیا میں کچھ نہیں ہے محبت اگر نہیں

حشر کے رنگِ شاعری، طرزِ ادا، بیان کی سادگی اور لطفِ زبان کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے کیجیے:

نہ چھیڑ اُمڈے گا اک طوفانِ فریاد آج پلکوں سے نوائے شورِ غم سازِ لبِ ساحل میں رہنے دے

جنوں انگیز ہے رسوا نہ کر رازِ محبت کو یہ برقِ فتنہ ساماں پردۂ محمل میں رہنے دے

سجدے نہیں یہ ہمدم جھک جھک کے پڑھ رہا ہوں لکھی ہے میری قسمت اس سنگِ آستاں میں

بنا دے دیوانہ عقل و دیں کو پھر آج اس چشمِ سرمگیں سے
ہے جس کی ہر گردشِ حسیں سے خرامِ موجِ شراب پیدا

محبوب کے التفات کے باوجود عاشق کبھی کبھی اپنے غم کا اظہار اس کے سامنے نہیں کر پاتا اس مضمون کو حشر نے اس طرح باندھا ہے کہ خیال اور زبان دونوں کا مزہ آگیا ہے:

صرفِ کرم تھی وہ نگہِ ناز بزم میں میں ہی نہ کہہ سکا غمِ دل التجا کے ساتھ

ایک جگہ کوششِ ناکام کو سراہتے ہوئے کہا ہے:

ڈر ہے کہ کہیں سعی کی طاقت بھی نہ لے لے قسمت کو دعا کوششِ ناکام دیے جا

شبِ فرقت کی کربناکی کا نقشہ کس اثر انگیزی سے کھینچا ہے:

کیا تجھ سے کہوں گزری کیا کیا شبِ فرقت میں آنکھیں تھیں اور آنسو تھے تم آئے نہ موت آئی

شامِ فرقت کی تاریکی اور تنہائی میں دل کا داغ شمع کا کام دے رہا ہے:

کیا بتائیں صبح سے کیوں جل رہا ہے دل کا داغ شمع روشن کر رکھی ہے شامِ فرقت کے لئے

دنیا کی تمام رونق اور ہنگامے صرف انسان کی وجہ سے ہیں۔ جب تک زندگی ہے کشاکش بھی ہے اس کے بعد کچھ نہیں:

کشاکش زندگی کی ارتباطِ جسم و جاں تک ہے یہ سب ہنگامۂ محفل ہماری داستاں تک ہے

بیان کی دلکشی، زبان کی شیرینی اور خیال کی معنی آفرینی کے لحاظ سے کیا حشر کے ان اشعار کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے:

کہو زاہد سے کیوں ہے اس قدر فردوس پر نازاں ہزاروں جنتیں آباد ہیں تخئیل اختر میں

جو سودائے محبت ہو تو حاجت کیا رفوگر کی جنونِ فتنہ افزا کا گریباں چاک کر ڈالو

گنہگارِ وفا کو اس ادا سے دی سزا تو نے کہ ناکردہ گنہ کو خواہشِ تعزیر ہوتی ہے

کہیں لڑکھڑائیں قدم مرے جو شرابِ شوق کے جذب سے

گروں اس طرح کہ ادا مری ترے در پہ فرضِ نماز ہو

نیازِ عشق نے تجھ کے عوض سجدے بکھیرے ہیں جہاں تیرا قدم دیکھا وہیں نقشِ جبیں پایا

ایک دھندلا سا تصور ہے کہ دل بھی تھا یہاں اب تو سینے میں فقط اک ٹیس سی پاتا ہوں میں

لہو ہو جائے دل گھٹ گھٹ کے پر آنسو نہ ٹپکیں گے کریں گے ضبط مجبورِ ستم طاقت جہاں تک ہے

مگر حشر کا شاعرانہ رنگ، زورِ بیان اور فنکارانہ صلاحیت ان کی دو مشہور و معروف اور معرکہ آرا نظموں "شکریۂ یورپ" اور "موجِ زمزم" میں پوری طرح جلوہ گر ہے۔ یہ نظمیں اقبال کے رنگ میں لکھی ہوئی ہیں اور کچھ دیر کے لئے ان پر اقبال کی تخلیقات کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ الفاظ کی بندش، خطیبانہ انداز، جوشِ بیان، لہجے کا اتار چڑھاؤ، خیال اور فن کی ہم آہنگی اور ساتھ ہی فارسی زبان کے ادراک و احساس اور طرز ادا کی دلآویزی نے ان نظموں کو شاعری کا ایک اچھوتا نمونہ بنا دیا ہے۔

یہ دونوں نظمیں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں پڑھی گئیں جہاں حشر نے سامعین کے دلوں پر رقت طاری کر دی اور نہ صرف ان سے خراجِ تحسین و عقیدت وصول کی بلکہ اپنے شاعرانہ کمال اور فنی مہارت کا پورا ثبوت دیا۔ پروفیسر علم الدین سالک نے "شکریہ یورپ" کی مقبولیت کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> "اس نظم کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے مطبوعہ نسخے جو ایک ایک آنہ پر فروخت ہونے شروع ہوئے تھے اس جلسہ میں ایک ایک پونڈ پر دستیاب نہ ہو سکے۔"[1]

ان نظموں کے ڈرامائی عناصر نے ان کو اور زیادہ موثر اور دلنشیں بنا دیا ہے۔ اس سے حشر کے پروازِ تخیل، ذہنی رسائی اور زبان و فن پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

"شکریۂ یورپ" کے متعلق شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی رقمطراز ہیں:

---

[1] علم الدین سالک، آغا حشر کاشمیری در تجلیات حشر، مرتبہ سید محمد طفیل احمد بدر امروہوی ص ۳۵

"ذرا عذ الگتی کہنا اور حشر کی اس نظم کو دیکھنا لفظوں اور معانی
کے لشکر نا آشنا میدانوں میں کس شان سے چڑھ کر آئے ہیں۔
ملیہ مسلم کے کمانڈر نے کیسی ہوش ربا مورچہ بندی کی ہے[1]"

مسلمانوں کو اسلام کی عظمت وشان ، جاہ وجلال اور انسانیت نواز تعلیم کی یاد دلاتے ہوئے موجودہ پستی پر تاسف کا اظہار حشر نے یوں کیا ہے :

وہ پیامِ آخری ، اسلام جس کا نام تھا ‏ ‏ وہ ظہورِ صدق ، جو پروردۂ الہام تھا
وہ تجلیٔ حقیقت ، جو ضلالت سوز تھی ‏ ‏ گرمیٔ قلبِ محمدؐ سے تپش اندوز تھی
روشنی دنیا کو دی ، جس مہرِ عالمتاب نے ‏ ‏ زنگِ فطرت دھو دیا جس نور کے سیلاب نے
ظلمت آگیں خلقتِ انساں کو بینا کر دیا ‏ ‏ سنگریزے کو جلا دے کر نگینہ کر دیا
بارہا نالید و گفت اے قومِ ما بیدار شو ! ‏ ‏ حصۂ خود از خزینہاں گیر و گرمِ کار شو !

مایۂ صد آفت است ایں گوش ناشنوائے تو ‏ ‏ ہوش کن ! زامروز گردد خوار تر فردائے تو
شرم کن ! محوِ ادائے کفر ساماں کردہ ‏ ‏ آں دل وجانے کہ اول نذرِ قرآں کردہ

پھر مسلم قوم کو فاروقؓ اور حیدرؓ کا سا شیوہ اور کردار اختیار کرنے اور آئینِ خلیل اللہ کو زندہ کرنے کا پرجوش پیغام اس طرح دیا ہے کہ دلوں کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے :

سطوتِ فاروقؓ بنما ، شیوۂ حیدرؓ بگیر ! ‏ ‏ تاج از کسریٰ ستان و باج از قیصر بگیر !

بہرہ ور کر دل کو سوزِ احمدِ بے میم سے ‏ ‏ جگمگا دے بزمِ جاں کو شمعِ ابراہیم سے
اپنی ہستی نذر دے ملت کی قرباں گاہ کو ‏ ‏ زندہ کر دنیا میں آئینِ خلیل اللہ کو

---

[1] تجلیات حشر، ص ۲۸۶

آگے چل کر یورپ کی سیاہ کاریوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے :

اے زمینِ یورپ اے مقراضِ پیراہن نواز　　اے حریفِ ایشیا اے شعلۂ خرمن نواز
چارہ سازی تیری بنیاد افگنِ کاشانہ ہے　　تیرے دم سے آج دنیا ایک ماتم خانہ ہے
اشکِ حسرت زا سے چشمِ حیرت نمناک ہے　　خونچکاں رععادِ اقوام گریباں چاک ہے

اس کے بعد یورپ کی مہربانیوں کا شکریہ طنزیہ انداز میں اس طرح ادا کیا ہے :

گرچہ اک دنیا کا دل تیری طرف سے خون ہے　　امتِ خیر الوریٰ لیکن تری ممنون ہے
کون ہوں کیا ہوں کہاں ہوں سب حقیقت کھل گئی　　تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشمِ ملت کھل گئی
یک بیک خون تنِ ہیجاں میں ہیجان آگیا　　قطرہ دریا بن گیا دریا میں طوفاں آگیا
بت شکن وحدت پرست اک جسم اک جاں ہوگئے　　غل ہوا دنیا میں پھر کافر مسلماں ہوگئے
از کرم بپذیر یارب جوشِ بے اندازہ را　　تا قیامت زندہ دار ایں زندگیٔ تازہ را

اس نظم کا مشہور آخری دعائیہ بند جس میں روح کا سارا سوز و گداز اور دل کا تمام درد سمٹ کر آگیا ہے جب حشر نے پڑھکر سنایا تو سامعین کے ہاتھ بے اختیار بارگاہ ایزدی میں دعا کے لئے اٹھ گئے اور ان کی آنکھوں سے سیلابِ اشک جاری ہوگیا :

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے　　بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے
ڈھونڈھتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کیلئے　　کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لئے
رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا　　ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا
خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں　　کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی امت میں ہیں
حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں　　طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

حشر کی دوسری مشہور و معروف نظم "موجِ زمزم" کا ہر بند خیال اور فن کا ایک حسین امتزاج ہے جو فنکار کی جولانیٔ طبع اور حریت پسندی کا ثبوت ہے۔ پر شکوہ الفاظ، بندش کی چستی اور جوشِ بیان نے اس نظم میں رنگ بھر دیا ہے۔ شانِ مسلمانی کا اظہار کتنے زوردار الفاظ میں کیا ہے :

جلوۂ پروردِ چراغِ خلوتِ الہام ہوں — میں امانت دارِ سوزِ سینۂ اسلام ہوں
میری عظمت کی کہانی ہے حدیثِ کائنات — حاصلِ انسانیہ اوراقِ صبح و شام ہوں
لے کے آیا ہوں نوید کوثر آشامی یہاں — ساقیِ خمخانۂ بطحا کا میں پیغام ہوں
آ تجھے بھی مست کر دوں نغمہائے عشق سے — میں کہ گلبانگ نواپردازیِ ایام ہوں
می طپد صد جلوۂ شاداب در جانم ہنوز — تشنۂ ذوقِ تماشا ہست طوفانم ہنوز

اس نظم کے دعائیہ اشعار کا ایک ایک لفظ جوشِ اسلامی سے بھرپور اور روحانی کرب کا آئینہ دار ہے۔ ان اشعار میں اپنی کھوئی ہوئی تہذیب اور اسلامی کردار کو حاصل کرنے کی بے اختیار فضا کروٹیں لے رہی ہے اور ساتھ ہی اپنی خطاؤں اور گمراہیوں پر بے حد تاسف کا اظہار بھی ہے:

اے خدا دے زور دست خالد و حیدر ہمیں — پھر الٹنا ہے صفِ کفر و درِ خیبر ہمیں
مست تھی جس کے نشہ سے روحِ سلمان و بلال — ہاں پلا دے پھر وہی صہبائے کیف آور ہمیں
دل صنم خانہ بنا ہے یادِ غیر اللہ سے — بت بھی اب کہنے لگے مسلم نما کافر ہمیں
المدد اے نعرۂ اللہ اکبر المدد — بتکدے کو پھر بنانا ہے خدا کا گھر ہمیں
تیری رحمت دیتی جاتی ہو تسلی ساتھ ساتھ — لے چلے جب شرمساری جانبِ محشر ہمیں
تیرے در کو چھوڑ کر ہم بینوا جائیں کہاں — یا بتا دے اور کوئی اپنے جیسا گھر ہمیں
دوسروں کو زور و زر دے عیش دے آرام دے — اور ہمیں اس دولتِ دنیا سے صرف اسلام دے

غزلوں سے لئے ہوئے مذکورہ بالا چند اشعار اور نظموں سے انتخاب کردہ بند اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ حشرؔ غزل کے میدان میں وہ بات پیدا نہ کر سکے جو نظم میں کی۔ غزل میں انھوں نے قدیم روش کو اپنایا ہے جبکہ نظم میں ان کے علمی ادبی جوہر کھل کر سامنے آئے ہیں۔ اس لئے ان کی نظمیں ان کی غزلوں سے کہیں زیادہ اثر انگیز، زبان و بیان کا اچھوتا نمونہ اور ان کے فن کا بہتر مظہر ہیں۔

●●●